© rasailojaraid.com

مدارس عربیہ کے لئے ایک لمحۂ فکر

از

(سعید احمد)

(۴)

تفسیر علوم دینیہ میں سب سے اہم اور مقدم علم تفسیر ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ تفسیر سفر کا مقلوب ہے۔ لیکن علامہ محمود آلوسی نے اس قول کے متعلق بڑا بلیغ فقرہ لکھا ہے۔

والقول بانہ مقلوب السفر مما لا یسفر لہ وجہ — اور یہ کہنا کہ تفسیر سفر کا مقلوب ہے ایک ایسا قول ہے جس کا چہرہ کھلا ہوا نہیں ہے یا جس کی وجہ ظاہر نہیں ہے۔

حق یہی ہے کہ یہ فسر سے مشتق ہے۔ فسر کے معنی لغت میں بیان وکشف کے آتے ہیں اصطلاحاً تفسیر اس علم کا نام ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ کے نطق کی کیفیت۔ الفاظ کے مدلولات۔ ان کے احکام افرادیہ و ترکیبیہ۔ معانی جن پر کہ وہ بحالت ترکیب محمول کئے جاتے ہیں اور اس سلسلہ کی اور دوسری چیزیں مثلاً محکم و متشابہ۔ ناسخ و منسوخ، اسباب نزول، امثال و قصص، احکام و مسائل وغیرہا معلوم کرنا دوسرے لفظوں میں مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعہ قرآن مجید کو سمجھا جائے اس بنا پر ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے اس کو سمجھنے کا نام تفسیر ہو گا۔ اب ہم کو یہ معلوم ہونا چاہتے کہ قرآن مجید میں کیا کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو کس طرح پر سمجھا جا سکتا ہے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید حسب ذیل مضامین پر مشتمل ہے

(۱) مابعد الطبعیاتی مسائل: مثلاً صفات باری تعالیٰ، جنت و دوزخ، حشر و نشر، ملائکہ وغیرہا کا ذکر

(۲) اوامر و نواہی:۔ عبادات۔ احکام و مسائل محرمات و منہیات۔ مباحات۔ مندوبیات و مستحبات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) قصص:- پیغمبروں کے۔ قوموں کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے متعلق واقعات و حکایات۔

(۴) امثال:- نیک لوگوں کے۔ برے لوگوں کے۔ علم اور جہل کے۔ ایمان اور کفر کے وغیرہ

(۵) کتب قدیمہ کا بیان ان کی بعض تعلیمات کا تذکرہ۔

قرآن مجید کے مابعد الطبعیاتی مسائل اس قسم کے مسائل کے متعلق بنیادی طور پر یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ چونکہ ان کا تعلق ماورائے عالم طبعیات و مادیات سے ہے اس بنا پر اس عالم کی حقیقتوں کو سمجھانے کے لئے جو پیرایۂ بیان اختیار کیا جائے گا وہ لامحالہ ہمارے عالم مادیات کے ہی مناسب ہوگا۔ یہ عالم مابعد الطبعیات تو بہت دور کی چیز ہے۔ ہم خود اپنے محسوسات معنوی باطنی کو جب ظاہر کرتے ہیں تو غم کو نشتر۔ خنجر۔ دشنہ۔ پہاڑ اور مسرت کو گل و شبنم۔ آبشار و نسیم کے لفظوں سے سمجھاتے ہیں اور یہ صرف استعارہ ہوتا ہے اس کے معنیٰ یہ ہرگز نہیں ہوتے کہ غم سچ مچ ایک نشتر ہے اور خوشی درحقیقت کوئی پھول ہے۔ بس اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ خدا کے صفات مثلاً علم و بصر۔ سمع وخبیر۔ بطش و قدرت۔ ید و استوا یا جنت کے لذائذ و نعم۔ دوزخ کے عذاب و عقاب۔ ان سب کی اصل حقیقت کیا ہے ان سب کا علم سوائے خدا کے یا رسول کے اور کسی کو نہیں ہے اور ہم جس طرح خدا پر ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اس کی ذات کو جاننے کے نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ہماری استطاعت سے خارج ہے اسی طرح ہم ان سب حقائق مابعد الطبعیات پر ایمان لانے کے مکلف ہیں لیکن ان کو جاننے اور سمجھنے کے مکلف نہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان پر بحث کرتا ہے اور ان کی سراغ رسانی کی کوشش کرتا ہے تو اس کا یہ فعل فلسفہ اور سائنس کے دائرہ میں آسکتا ہے، تفسیر سے اور قرآن فہمی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے یہ سب امور مذہب کے اصول موضوعہ ہیں اور اصول موضوعہ میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

فلسفہ و سائنس کو جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے اسی قدر یہ حقیقت اپنی جگہ روشن سے روشن تر ہوتی جاتی ہے کہ ادراک کا ذریعہ صرف عقل ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی اونچا ایک اور ذریعہ ادراک ہے اور اس کا نام وجدان ہے جس کو قرآن مجید نے لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا فرما کر فقہ سے تعبیر کیا ہے اور جس کو ہم اردو زبان میں "دل میں آنا" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اکبرالہ آبادی اللہ تعالیٰ کی نسبت فرماتے ہیں۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

عقل کے ذریعہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ حصولی ہوتا ہے یعنی بواسطہ صور اشیا اس کے بالمقابل وجدان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ حضوری ہوتا ہے یعنی بلا واسطہ۔ اس بنا پر ظاہر ہے جو پختگی۔ استواری اور عمل میں سرگرمی و سرجوشی دوسرے سے ہو سکتی ہے پہلے سے نہیں ہو سکتی اقبال کہتے ہیں۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

ایک غلط فہمی کا ازالہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ "القرآن ذو شجون وفنون وظہور وبطون" اس سے اور بعض اسی طرح کے دوسرے بزرگوں کے ارشادات سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ہر آیت کے دو مطلب ہوتے ہیں۔ ایک ظاہر اور ایک باطن۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جیسا کہ علامہ محمود آلوسی نے نقل کیا ہے بعض کے نزدیک لکل آیۃ ستون الف فہم (روح المعانی ج ا ص ۷) یعنی ہر آیت کے ساٹھ ہزار مطلب ہوتے ہیں اس نقطۂ خیال کی اشاعت اس شد و مد اور زور شور کے ساتھ کی گئی ہے کہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے بلند پایہ مفسرین بھی کہیں کہیں اسی طرز پر تفسیر بیان کر دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس خیال سے دین کے نظام فکر کو جو نقصانِ عظیم پہونچا ہے وہ ناقابل تلافی ہے قرآن سراپا نور و ہدایت ہے وہ نفیس واذعان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کرتا ہے اور شکوک و شبہات بے یقینی اور تردد و تذبذب کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ اس بنا پر اگر یہ مان لیا جائے کہ ہر آیت کے دو مطلب ہوتے ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ظاہر وہ جو ظاہر آیت سے متبادر ہوتا ہے اور باطن وہ جو ہمیں نہیں معلوم۔ اور اگر معلوم بھی ہو تو ہم اسے صرف ظنی و تخمینی اور قیاس و گمان سے ہی معلوم کر سکتے ہیں اس بنا پر وہ صرف ظنی ہوگا قطعی اور یقینی نہیں۔ تو اب لامحالہ قرآن کی آیت سے ظاہری طور پر ہم نے جو کچھ مطلب سمجھا ہے اس میں یقین پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے محرک عمل ہونے کی صلاحیت و قوت بہت مضمحل اور کم زور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرقہ باطنیہ ملاحدہ اور متصوفین کے ایک گروہ نے اسی چیز کا سہارا لے کر دین کو اوہام و خرافات کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حرف قرآن مجید کی تخصیص نہیں بلکہ ہر کلام کا مطلب ایک تو وہ ہوتا ہے جو فی بطن القائل ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو کلام کی خاص ترکیب اور اس کے انسجام و نسق سے سمجھ میں آتا ہے۔ پھر متکلم جتنا بلیغ، قادر الکلام اور فصیح البیان ہوگا اور ساتھ ہی مخاطب جس مرتبہ کا عالم، صاحب ذوق اور رمز آشنائے بلاغت ہوگا اسی قدر مخاطب کو اس کلام میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حظ آئے گا اور اس میں اس کو زیادہ دقائق اور اسرار و غوامض نظر آئیں گے لیکن یہ اسرار صرف اسرار ہوں گے جن سے لطف کلام بڑھ جاتا ہے اصل ماسیق لہ الکلام نہیں ہوں گے۔ یہ اسرار و غوامض مفسر کے دائرہ بحث سے خارج چیزیں ہیں اور یہ مدار کلام نہیں ہیں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت ہے کہ

من اراد علم الاولین والآخرین	جو اگلوں اور پچھلوں کے علم کا ارادہ کرے اس کو
فلیتل القرآن	چاہئے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرے۔

اس روایت کا بھی بعض لوگوں نے نہایت غلط طریقہ پر مطلب یہ سمجھا ہے کہ دنیا جہان کے علوم و فنون قرآن مجید کے اندر مذکور ہیں۔ چنانچہ زمانہ حال کے ایک مفسر علامہ جوہر طنطاوی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توقرآن مجید کو جدید علوم سائنس کی ایک اعلیٰ کتاب ہی کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں بعض بڑے دلچسپ لطیفے اور حکایات تک نقل کی جاتی ہیں۔ مثلاً جب سلطان سلیم نے مصر فتح کیا تو اس زمانہ کے ایک عالم ابن کمال نے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ سے استدلال کیا۔ یہ اور اسی طرح کے بعض اور لطائف نکات بعد الوقوع کہلاتے ہیں۔ قرآن مجید کے مقصدِ نزول اور اس کی اصل غرض وغایت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ یہ چیزیں تفسیر قرآن کے دائرہ تعریف میں آتی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود کے مذکورہ بالا ارشاد میں علم سے علم ہدایت۔ علم صلاح وتقویٰ۔ یا علم دین شریعت مراد ہے جو شروع آفرینش سے قرن بقرن عہد بہ عہد فکرِ انسانی اور ضروریات وحوائج تمدنی کے تدریجی ارتقا کے ساتھ ترقی کرتا رہا اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید پر آکر منتہائے کمال کو پہونچ گیا اس بنا پر اب اگر کسی شخص کو دین کے اس پورے سلسلہ کا علم حاصل کرنا ہے تو اُسے توراۃ۔ انجیل یا اور کسی صحیفہ پیغمبر کے پڑھنے کی ضرورت نہیں قرآن میں سب کچھ موجود ہے یہ تو ہوا علم الاولین اور چونکہ زمانہ خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے بہرحال جہاں تک بنی نوعِ انسان کی دینی واخروی ہدایت و فلاح کا تعلق ہے قرآن پر کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھی اس پر ایک حرف کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس بنا پر قرآن میں علم الآخرین بھی ہے۔ علاوہ بریں اولین وآخرین دونوں سے مراد عہد نبوت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کے لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں اس صورت میں اولین وآخرین میں باہم نسبت اضافی ہوگی اور اسی نسبت کے اعتبار سے ان کو اولین وآخرین کہا گیا ہے۔ ورنہ ہمارے اعتبار سے سب اولین ہیں۔

اوامر ونواہی قرآن مجید ہدایت ربانی کی کتاب ہے اور اس کا اصل مقصد ایمان وعملِ صالح کی تعلیم دینا ہی ہے اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے اوامر ونواہی اس کی اصل غرض وغایت ہیں اور ان کے علاوہ اور جو کچھ ہے وہ انھیں کے لئے زمین ہموار کرنے کے اور انھیں کی تشریح وتوضیح کے لئے ہے اس سلسلہ میں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن مجید کے اسلوبِ خاص کے ماتحت کسی حکم کی کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہمیت اور اس کا کیا درجہ ہے۔ پھر اس حکم کی جزئیات اور متعلقہ تفصیلات کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کی آیات کے ساتھ ساتھ ان سے متعلق جو احادیث ہیں ان کو بھی بیان کر دیا جائے۔ تاکہ قرآن و حدیث کی تطبیق اور دونوں کے ایک ساتھ مطالعہ سے وہ حکم مع اپنی تمام جزئیات و تفصیلات کے سامنے آجائے عام طور پر تفاسیر کی نسبت یہ شکایت ہے کہ ان میں اول تو احادیث سے اعتنا کم کیا جاتا ہے اور پھر جو احادیث لائی بھی جاتی ہیں ان میں زیادہ تر ضعیف اور بعض اوقات موضوع تک ہوتی ہیں اور ان سے قرآن کی مراد سمجھنے میں مدد ملنے کے بجائے بعض اوقات سخت نقصانات اور کجروی کے پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

قصص | قرآن مجید میں قصص کی غرض وغایت یا تو پیغمبروں کو ان بعض الزامات سے بری قرار دینا ہے جو خود ان کی قوم نے یا ان کے بعد دوسرے لوگوں نے ان پر عاید کر دیئے تھے یا بعض قصص کا ذکر جیسا کہ خود قرآن نے کہا ہے لوگوں کی عبرت و بصیرت کے لئے کیا گیا ہے جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے افسوس ہے کہ بعض تفاسیر میں اسرائیلی روایات کے پیش نظر خود پیغمبروں کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دی گئی ہیں جن سے برارت ظاہر کرنے کے لئے قرآن نے وہ واقعہ بیان ہی کیا تھا مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے ننانوے اور ایک بکری والے مقدمہ میں۔ علاوہ بریں اکثر و بیشتر قصص وہ ہیں جو عہد نامہ قدیم و جدید میں سے کسی ایک میں بھی بیان کئے گئے ہیں اگرچہ اجمال و تفصیل کا یا بعض اجزاء واقعہ کا اور بعض جگہ اصل حقیقت واقعہ کا ہی فرق و اختلاف ہے تفسیر کے ایک طالب علم کا فرض ہے کہ وہ ان قصص کا مطالعہ تقابلی طور پر کرے تاکہ ایک طرف قرآن مجید کا کتب الٰہیہ کے لئے مصدق ہونا ثابت ہو اور دوسری جانب یہ معلوم ہو سکے کہ کتب قدیمہ کے موجودہ نسخوں میں کس قدر تحریف ہوئی ہے اور اس تحریف کی وجہ سے انبیائے کرام کی طرف کس درجہ رکیک اور شرمناک واقعات منسوب ہو گئے ہیں۔ اگر اس حقیقت کو ابھارا جائے اور ٹھوس تاریخی تحقیقات کی روشنی میں قرآن مجید کے اس امتیاز کو اہل کتاب کے سامنے پیش کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ قرآن مجید کی عظمت اور اس کی حقانیت کا نقش ان کے دل و دماغ پر ثبت نہ ہو قرآن مجید کا یہ وہ حصہ ہے جس کو ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخی اور جغرافیائی حصہ کہہ سکتے ہیں دعوت الی الدین اور استقامت علی الدین کی تحریک کے سلسلہ میں یہ جس قدر ضروری ہے ظاہر ہے۔

کتب قدیمہ | قرآن مجید میں کتب قدیمہ الٰہیہ اور ان کے بعض مضامین کا تذکرہ اور جن پیغمبروں پر یہ کتابیں نازل ہوئیں ان کے چیدہ چیدہ واقعات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار مختلف طریقوں سے اور ایک عجیب انداز سے آیا ہے۔ قرآن اپنے آپ کو ان سب کتابوں کا مصدق کہتا ہے ان تمام پیغمبروں پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے ذہن میں وحدتِ دین کا تصور پیدا ہو شریعتِ محمدیہ کو وہ دین کے مسلسل نظام کی ہی ایک کڑی سمجھیں اور اس بنا پر ان کو اس کے قبول کر لینے میں تامل اور جھجک نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ باب دعوتِ محمدی کا ایک بہت اہم باب ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جس قدر اہم ہے اسی قدر اس کی طرف اعتنا کم کیا گیا ہے قرآن مجید کے ان ارشادات کی روشنی میں مفسرین کا فرض تھا کہ وہ کتب قدیمہ کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ان میں جو باتیں قرآن مجید کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں ان کی نشان دہی کرتے اور جو باتیں ان کے مخالف ہیں کتب قدیمہ کی تاریخ تدوین و ترتیب کی روشنی میں ان کا الحاقی ہونا یا غلط ہونا ثابت کرتے اس طرح دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اسلام سے وہ بعد یا توحش محسوس نہ ہوتا جو اب ہے۔

ہم غالباً اب تک قرآن مجید کی تعلیمات کے اس ایک باب کی اہمیت پوری طرح محسوس نہیں کر سکے ہیں لیکن دوسرے لوگ اس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حال میں ہی امریکہ سے ایک کتاب "مذاہبِ عالم" کے نام سے شائع ہوئی ہے اس کتاب کے مصنف کا اسلام کے ساتھ رویہ اگرچہ دوستانہ اور منصفانہ نہیں ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی سے متعلق اس نے بعض نہایت بے ہودہ اور اشتعال انگیز الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

"قرآن پیغمبر پیغمبر اور کتاب کتاب میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس کی تعلیمات کے مطابق سب پیغمبروں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اور وہ ایک پیغمبر کو دوسرے پیغمبر پر فضیلت دینے کا بھی شدید مخالف ہے۔"

اس کے بعد مصنف نے قرآن مجید کی آیات متعلقہ کا انگریزی ترجمہ نقل کیا ہے اور پھر لکھتا ہے

"بلا شبہ قرآن کی تعلیمات کا یہ پہلو اس قدر صاف واضح اور روشن ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کا اس معاملہ میں حریف نہیں ہو سکتا اور سچ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات کا یہی ایک پہلو ایسا ہے جس کی وجہ سے آج کی دنیا میں کمیونزم کی طرح اسلام سب سے بڑی طاقت ہے جو لوگوں کو بلا امتیازِ نسل و قومیت اپنی طرف کھینچتی ہے۔"

سبحان اللہ! ہم مسلمانوں کا بھی کیا عجیب حال ہے

عالم ہمہ افسانۂ ما و ما ہمہ ہیچ

امثال امثال دو قسم کے ہیں ایک وہ جو بطور ضروب الامثال ارشاد فرمائے گئے ہیں جیسے

(۱) ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم

(۲) لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَاشِفَۃ

(۳) لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَا اِلَّا ھُو

(۴) لکل نبأٍ مُّستقر

(۵) اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْب وغیرہ وغیرہ اور دوسرے وہ امثال ہیں جو مومنوں، کافروں منافقوں وغیرہم کے لئے بہ طور تشبیہ بیان کئے گئے ہیں یہ سب امثال ان کا فقرہ فقرہ اور لفظ لفظ فصاحت و بلاغت، اعجازِ بیان، حکمت و موعظت۔ اخلاق و نصائح کا معدن و مخزن ہے ان کی عظمت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب ان سب کا یکجائی مطالعہ کیا جائے اور نامور بلغا و فصحائے عرب کے کلام کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جائے۔

حاصل کلام قرآن مجید کے ان معانی و مطالب اور مضامین و حقایق کا ایک سرسری اور اجمالی جائزہ لینے کے بعد اب غور کیجئے کہ مدارس عربیہ میں تفسیر کا جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس سے ایک طالب علم کو ان مضامین پر کتنا عبور حاصل ہوتا ہے۔ اس کا کتنا وقت فضول اور لایعنی بحثوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مثلاً حروف مقطعات کی اور صفات باری وغیرہا سے متعلق کلامی مباحث میں صرف ہو جاتا ہے اور خود قرآن کے جو اصل مباحث ہیں ان کا کتنا حصہ اس کو معلوم ہوتا ہے پھر چونکہ تفاسیر میں اقوال مرجوح و شاذہ سب ہی بیان کر دیئے جاتے ہیں اس بنا پر تفسیر کے ایک طالب علم کو ذہنی طمانیت اور قلبی سکون و یقین کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے بے شبہ علمائے سلف نے جو کچھ کیا وہ اس کے لئے عند اللہ ماجور ہوں گے اور ان کی مساعی ہمارے صد تشکر و امتنان کی مستحق ہیں لیکن تعلیم کے نئے سانچے اور جدید نظام میں اس خیال کا رکھنا ضروری ہے کہ ایک فن کے مسائل کا تداخل دوسرے فن میں نہ ہو۔ جس طرح منطق و فلسفہ کا درس دیتے وقت قرآن و حدیث کے مسائل کو چھیڑنا ایک لغو اور دور از کار بات ہے اسی طرح قرآن کے درس میں منطق فلسفہ وغیرہ کے مسائل پر گفتگو کرنا بے محل اور بے موقع ہے۔

مدارس عربیہ میں سب سے زیادہ زور قرآن مجید کی تعلیم پر دینا چاہیئے تھا لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ سب سے زیادہ تغافل اسی سے برتا جاتا ہے۔ منطق اور فلسفہ کی کتابیں چار یا پانچ سال تک چلتی رہتی ہیں لیکن تفسیر کا نصاب جلالین اور بیضاوی کے ایک پارہ پر دو سال میں ختم ہو جاتا ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ آئے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ یہ سب نقص کتابی تعلیم دینے کا ہے ہونا یہ چاہیئے کہ ایک مرتبہ جلالین کامل پڑھانے کے بعد قرآن مجید کے مختلف مضامین و حقائق پر لکچروں کا جس کو علمائے متقدمین کی اصطلاح میں املا کہتے ہیں ان کا انتظام کیا جائے استاد ابحاث متعلقہ پر بہت سی کتابوں کے مطالعہ کے بعد اپنے نوٹ تیار کرے اور ان کی روشنی میں درس دے اور ساتھ ہی وہ طلباء کو بتائے کہ کس مضمون کے لئے ان کو خود کون کون سی کتابیں زیر مطالعہ رکھنی چاہئیں۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com